اسلامی تصور حکمرانی اور اس کی حدود اختیارات

ڈاکٹر محمد حماد لکھوی *

Islamic Political system is a balanced system that gives ultimate powers to the ruler (Caliph) but with absolute limitations & restrictions. Allah almighty is Sovereign in the Islamic political system & Ruler is the authority to implement His orders as narrated in Quran & Sunnah. Caliph is not a Law generating authority but he is enforcing & implementing authority. Substantial obligations of Caliph in Islamic Political System are to establish justice and peace, to eliminate injustice & to evolve and fortify the socio-political environment for Salath & Zakat and to implement Islamic values & injunction in its purified form.

اسلامی نظام سیاست میں ''خلیفہ'' اگرچہ مرکزی حیثیت رکھتا ہے لیکن اس کا یہ مرکزی مقام اختیارات کے ارتکاز کی وجہ سے نہیں بلکہ ایک قوت نافذہ کے طور پر ہے۔ اس کا بنیادی فرض ہے کہ وہ احکام الٰہی کو نافذ کرے، خلاف اسلام امور کو روکے، اسلامی اقدار کے احیاء و تحفظ کے لیے کوشاں رہے، نظام صلوٰۃ و زکواۃ قائم کرے، معروف و منکر کی تمیز کرے اور معروف کے قیام اور منکر کی روک تھام کے لیے مناسب انتظامات کرے۔ قرآن نے خلیفہ کی اس حیثیت کا تعین کرتے ہوئے فرمایا:-

الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوۃ و آتوا الزکوۃ وامروا بالمعروف و نھوا عن المنکر (۱)

(یہ اہل ایمان وہ لوگ ہیں کہ) اگر ہم ان کو اس زمین میں اقتدار عطا کریں گے تو نماز کا اہتمام کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، بھلائی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔

گویا خلیفہ بطور حکمران احکام کا منبع و سرچشمہ نہیں بلکہ نفاذ احکام الٰہی کا ذمہ دار ہے اور یہ ذمہ داری اتنی اہم ہے کہ اسلام نے اس کی ادائیگی کے لیے سمع و طاعت کا ایک مکمل نظام قائم کر دیا۔

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

اسلامی ریاست کے تمام باشندوں کو اس بات کا پابند بنا دیا گیا کہ وہ اپنے خلیفہ یا امیر کی اطاعت کریں۔ خلیفہ (امیر) کی اطاعت کو بھی اسی طرح فرض قرار دیا گیا جس طرح اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت۔ لیکن فرق یہ رکھا گیا کہ یہ اطاعت اللہ اور رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ماتحتی میں ہوگی۔ اس لئے کہ امیر کی اصل حیثیت تو اللہ اور اس کے رسولؐ کے ضابطوں کو نافذ کرنے والے کی ہے اور جب تک وہ قرآن وسنت کے ضابطوں کے مطابق احکام نافذ کرتا رہے گا، تمام افراد معاشرہ پر اس کی اطاعت فرض ہوگی چاہے افراد معاشرہ کے ذاتی مزاج اور طبیعتیں مائل ہوں یا نہ ہوں، لیکن امیر (خلیفہ) اگر اپنی اس مرکزی حیثیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کسی ایسی بات کا حکم دے جو قرآنی ونبوی ضابطوں کے مطابق نہ ہو تو ایسی صورت میں اس کی اطاعت ساقط ہو جائے گی۔ گویا جو حق اور آزادی حکمران ہونے کے سبب حاصل ہوئی تھی اس کے اوپر ایک بہت بڑی حد لاگو ہو جاتی ہے۔ جس سے معاشرے کے اندر توازن واعتدال اور الٰہی ضابطوں کی بالادستی باقی رہتی ہے۔ نبی اکرمؐ کا فرمان ہے۔

"السمع والطاعة على المرء المسلم فيما احب و كره مالم يؤمر بمعصية فاذا امر بمعصية فلا سمع ولا طاعة" (۲)

مسلمان مرد کو (امام کا حکم) سننا اور اس کی اطاعت کرنا لازم ہے جب تک کہ اس کو گناہ کا حکم نہ کیا جائے اور جب گناہ کا حکم کیا جائے تو نہ سننا چاہیے اور نہ ہی اطاعت کرنی چاہیے۔

اور اگر وہ اللہ کی طرف سے عطا کردہ حکمرانی کے اختیارات اور ذمہ داریوں کی حدود سے تجاوز نہ کرے تو اسلام نے اس کی اطاعت کی سخت تاکید کی ہے۔

يا يها الذين امنوا اطيعوا اللّٰه واطيعوا الرسول واولى الامر منكم (۳)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی بھی اطاعت کرو جو تم میں سے صاحب امر (اختیار والے) ہوں۔

اس قدر تاکید کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کے ساتھ امیر کی اطاعت کا تذکرہ کیا بلکہ رسول اکرمؐ نے اپنے ایک فرمان میں امیر کی اطاعت کو اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت قرار دیا۔ فرمایا:-

"من اطاعنی فقد اطاع اللّٰہ ومن عصانی فقد عصی اللّٰہ ومن اطاع امیری فقد اطاعنی و من عصی امیری فقد عصانی"(۴)

جس شخص نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے یقیناً اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر کی فرمانبرداری کی اس نے میری فرمانبرداری کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے یقیناً میری نافرمانی کی۔

امیر کی ظاہری شان وشوکت، شخصیت اور سماجی معیار جس طرح کا بھی ہو بہرصورت اس کی اطاعت فرض ہے۔ فرمایا:-

"اسمعوا واطیعوا وان استعمل الیکم عبد حبشی کان رأسہ زبیبۃ"(۵)

(حاکم کا حکم) سنو اور اطاعت کرو! اگرچہ حبشی غلام ہی تمہارا حاکم ہو جس کا سر کشمش کی طرح (بہت چھوٹا) ہو۔

یہ اطاعت اور فرمانبرداری تو اس وقت ہے جب کسی کو حاکم بنا دیا جائے، پھر بھی اس کی اطاعت مطلقاً نہیں ہے۔ اسلام نے اس کو محدود کیا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص کسی جائز یا ناجائز طریقے سے حکمران بن بیٹھے تو اسلام اس کی اطاعت ضروری قرار نہیں دیتا۔ بلکہ اسلام نے خلیفہ کے تقرر کے بارے میں بھی تحدیدات مقرر کی ہیں۔ یہ تحدیدات بھی دین اسلام کا طرۂ امتیاز ہیں۔ دنیا کے جتنے سیاسی نظام ہیں ہر ایک میں امور مملکت کا کوئی عہدہ لینے کے لیے اپنے آپ کو کسی نہ کسی صورت پیش کرنا پڑتا ہے۔ اسلام میں ایسا شخص، جو عہدے کا طلب گار ہو یا درخواست کرے، نااہل ہو جاتا ہے۔ گویا اسلام ہی کی لگائی ہوئی تمام شرائط پر بھی اگر کوئی شخص پورا اتر رہا ہو اور خود عہدے کی درخواست

کرے تو اس کی نااہلی کے لیے اسلام کی نظر میں یہ کافی ہے۔ رسول کریمؐ نے واضح الفاظ میں فرمایا:-

''انا لا نولی هذا من سأله و لا من حرص علیه''(۶)

ہم اس کو حاکم نہیں بناتے جو خود حکومت کی درخواست کرے یا اس کا لالچ رکھے۔

کوئی شخص بطور خلیفہ تقرری کے لیے اپنے آپ کو تو ہرگز پیش نہیں کر سکتا اور اگر وہ اہلیت کی شرائط پوری کرتا ہو۔ مثلاً مسلمان ہو(۷)، مرد ہو(۸)، عاقل و بالغ اور راست باز ہو(۹) متقی و پرہیز گار ہو(۱۰)، اہلیت رکھتا ہو(۱۱)، عادل ہو(۱۲) حکمت و تدبر کا مالک ہو(۱۳)، اور اس طرح کی دوسری شرائط پوری کرتا ہو، تو بھی امت مسلمہ کے باقاعدہ نظام مشورہ کے ذریعے عام مسلمان اور خصوصاً مجلس شوریٰ ہی اس کا انتخاب کر سکتی ہے، خود بخود کوئی شخص حاکم نہیں بن سکتا۔ قرآن پاک میں اہل ایمان کے امور کے بارے میں باری تعالیٰ نے فرمایا:-

وامر هم شوری بینهم (۱۴)

وہ اپنے معاملات مشورے سے طے کرتے ہیں

حضرت عمر فاروقؓ نے تو بغیر امت مسلمہ کے مشورے کے خلیفہ مقرر ہونے والے شخص کو واجب القتل قرار دیا ہے۔ فرمایا:-

''من دعا الی امارة نفسه اوغیره من غیر مشورة من المسلمین فلا یحل لکم ان لا تقتلوه.'' (۱۵)

جو شخص مسلمانوں کے مشورے کے بغیر اپنی یا کسی اور شخص کی امارت کے لیے دعوت دے تو تمہارے لیے حلال نہیں ہے کہ اسے قتل نہ کرو۔

منصب امارت کے اختیارات کی آزادی کو اولاً تو عمومی اصول (اطاعت الٰہی اور اطاعت رسولؐ) سے محدود اور مقید کر دیا گیا ہے۔ تاکہ وہ (خلیفہ) حاکمانہ انداز و اطوار اختیار کرنے کی بجائے اپنے آپ کو خدائی ضابطوں کے ماتحت رکھے اور اپنے آپ کو الٰہی ضوابط کو نافذ کرنے والا ایک کارندہ اور کارکن سمجھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیابت اور کار پردازی کی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ عام مسلمانوں کی طرف سے بھی نائب، نمائندہ اور کارکن ہے۔ یوں اس کے اختیارات و آزادی پر دو طرح

سے حدود و قیود لاگو ہوتی ہیں۔اس حقیقت کی وضاحت صلاح الدین ان الفاظ میں کرتے ہیں:-

''اسلامی ریاست کا سربراہ اپنے منصب کے لحاظ سے دوہری نیابت کے فرائض ادا کرتا ہے وہ ایک طرف ریاست کے حقیقی مقتدر اعلیٰ کے احکام و ہدایات کو عملاً نافذ کرنے کی ذمہ داری کی بنا پر زمین پر اس کا نائب ہے، اور دوسری طرف وہ مقتدر اعلیٰ کے حقیقی نائبین یا خلفاء کا منتخب نمائندہ ہونے کی حیثیت سے ان کا بھی نائب ہے۔خلافت چونکہ فرداً فرداً ہر مسلمان کو دی گئی ہے اور وہ اسے اپنی مرضی کے آزادانہ اظہار کے ذریعہ ایک فرد کو منتقل کر کے اسے اپنی جانب سے فرض کفایہ کا ذمہ دار بنا دیتے ہیں، اس لیے وہ ان سب کا نائب ہے۔اس دوہری نیابت کے معنی یہ ہیں کہ سربراہ حکومت ایک طرف خدا کے سامنے اور دوسری طرف خدا کے بندوں کے سامنے جوابدہ ہے۔اس کی یہ حیثیت اس کے اپنے ارادہ و اختیار کا دائرہ بہت محدود کر دیتی ہے۔یہ پہلی اور سب سے بڑی پابندی ہے جو اولی الامر کے اختیارات پر اسلام نے عائد کی ہے''۔(۱۶)

اولی الامر یا اسلامی سربراہ حکومت کے آزادی اختیار پر ایک اور قدغن اسلام نے یہ لگائی ہے کہ وہ قانون سازی نہیں کر سکتا۔اگرچہ قرآن و سنت کی پیروی میں اس کے پاس اطاعت کروانے کا اختیار موجود ہے، لیکن یہ اختیار اس دستور الٰہی میں کسی ترمیم و اضافہ کی آزادی نہیں دیتا۔انسانوں پر انسانوں کا بنایا ہوا کوئی ضابطہ اسلامی نقطہ نظر سے قابل قبول نہیں۔صرف قرآن و سنت کی صورت میں حقوق و فرائض کا جو نا قابل ترمیم و تنسیخ ضابطہ مالک حقیقی نے عطا فرمایا ہے، سربراہ حکومت صرف اسی کی اطاعت کرنے اور عوام سے اطاعت کرانے کا اختیار رکھتا ہے۔قرآن میں ہے:-

اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم و لا تتبعوا من دونه اولیاء (۱۷)

جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف اتارا گیا ہے اس کی پیروی کرو اور دوسرے (خود ساختہ) اولیاء کی پیروی نہ کرو۔

یہ اصول اسلامی معاشرے میں خلیفہ کے دائرہ اختیار کو بہت محدود کر دیتا ہے اور اس کی پابندی کروانے کے لیے اتنا سخت حکم دیا کہ جو لوگ اس حکم سے سرمو انحراف کریں گے ان کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جائے گا۔فرمایا:-

ومن لم یحکم بما انزل اللّٰہ فاولئك ھم الکفرون (۱۸)

جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو ایسے تمام لوگ کافر ہیں۔

قانون سازی کے اختیار کو محدود کرنے کے ساتھ ساتھ تشریح قانون کی آزادی پر بھی اسلام پابندی عائد کرتا ہے۔ اسلامی قانون کی تعبیر و تشریح کرتے ہوئے ذاتی مزاج اور میلان کا لحاظ رکھنے، الفاظ کو الٹ پھیر کرنے، اپنی خواہش کے مطابق تشریح کا انداز اپنانے اور تاویل و تحریف کے ذریعے نئے معانی تلاش کر لینے کے جتنے بھی امکانات ہو سکتے ہیں۔ اسلام ان سب کا قلع قمع، قانون اسلامی کی تشریح کا ایک ٹھوس معیار مقرر کر کے کر دیتا ہے۔ تمام انسان بشمول سربراہ حکومت، اس امر کے پابند ہیں کہ پوری ذہنی آمادگی اور قلبی لگاؤ کے ساتھ اور بغیر کسی جبر و اکراہ کے احساس کے، قرآنی تشریح و تعبیر کے عملی نمونہ، رسول اقدسؐ کی ذات گرامی کو بطور معیار کے سامنے رکھیں۔ اس لیے کہ ہدایت و رہنمائی اور قیادت و حکمرانی کا اصل سرچشمہ رسول اللہؐ کی ذات ہی ہے۔ لہذا قرآن نے بہت سارے مقامات پر رسول اللہؐ کی بطور تعنن اور شارح اتھارٹی کو واضح انداز میں بیان کیا ہے۔ فرمایا:-

وما اتکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فا نتھوا واتقوا اللّٰہ (۱۹)

جو کچھ رسول تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے روک دے اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو۔

یعنی نفاذ قانون کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے خلیفہ اپنی ذاتی میلان و مزاج اور فہم و شعور کو بطور قانون استعمال کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتا۔ وہ اپنی ساری صلاحیتیں نفاذ قانون میں صرف کرنے کا پابند ہے۔ یہی خصوصیت اس کی اطاعت کو عامۃ المسلمین کے لیے لازمی اور ضروری بناتی ہے۔ اور جہاں کہیں قرآن و سنت کے دائمی ضابطہ و قانون میں ترمیم و اضافہ یا اس سے انحراف کا ارتکاب ہو، اس سے خلیفہ کا محض حق اطاعت ہی ساقط نہیں ہوتا بلکہ اس کو خلیفہ رہنے کا بھی کوئی حق اسلام نہیں دیتا۔ ایسا شخص بہر صورت معزول کر دیا جائے گا اور عامۃ المسلمین باہمی مشورے سے دوسرا امیر منتخب کر لیں گے۔ اگر اس کا انحراف نفاذ قانون اور حکم اطاعت کے علاوہ ذاتی اعمال میں کوتاہی تک جا پہنچے تو

پھر اس کو معزول کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے خلاف تلوار اٹھانا بھی اسلام نے جائز قرار دیا ہے۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا:-

''انہ یستعمل علیکم امراء فتعرفون و تنکرون فمن کرہ فقد بری و من انکر فقد سلم ولکن من رضی وتابع قالوا یا رسول اللّٰہ الانقاتلھم قال لا ماصلوا''۔ (۲۰)

تم پر ایسے لوگ بھی حکومت کریں گے جن کی بعض باتوں کو تم معروف پاؤ گے اور بعض کو منکر۔ تو جس نے ان کے منکرات پر اظہار ناخوشی کیا وہ بری الذمہ ہو گیا اور جس نے ان کو ناپسند کیا وہ بھی بچ گیا۔ مگر جو ان پر راضی ہوا اور پیروی کرنے لگا (وہ ضرور پکڑا جائے گا)۔ صحابہؓ نے پوچھا۔ پھر جب ایسے حکام کا دور آئے تو کیا ہم ان سے جنگ نہ کریں؟ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ جب تک کہ وہ نماز پڑھتے رہیں۔

''اولی الامر کی اس مشروط اطاعت نے حکمرانوں کے لیے اس امر کی کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑی کہ وہ خدا اور رسولؐ کے مقرر کردہ حقوق پر دست درازی کرسکیں۔ وہ اسی وقت تک واجب الا طاعت ہیں جب تک ان حقوق کا احترام کریں اور ان کے منافی کوئی اقدام نہ کریں۔ اگر وہ اس اصول کی خلاف ورزی کرتے ہیں تو قوم ان کی اطاعت سے بری الذمہ ہے اور وہ جواباً انہیں منصب امارت سے ہٹانے کی جدوجہد میں حق بجانب ہوگی۔ یہ حدود و شرائط اطاعت حکمرانوں کے مقابلے میں شہریوں کو اپنے بنیادی حقوق کے تحفظ کی ایک نہایت مستحکم ضمانت مہیا کرتی ہیں''۔ (۲۱)

اسلامی ریاست کے سربراہ کے دائرۂ اختیار اور آزادئ عمل پر ایک اور حد اسلام عائد کرتا ہے کہ وہ نفاذ احکام اور تعبیرات امور میں عامۃ الناس یا کم از کم اہل الرائے سے مشورہ کیے بغیر کوئی اقدام نہیں کرسکتا۔ جس طرح اس کے اپنے بطور خلیفہ تقرر کے لیے مشاورت ضروری ہے اسی طرح بعد از تقرر امور مملکت چلانے کے لیے بھی اسلام اسے مشورے کا پابند بناتا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:-

وامر ھم شوری بینھم (۲۲)

اور ان (مسلمانوں) کے معاملات باہم مشورے سے چلتے ہیں۔

رسول اللہؐ خود صاحب امر ہونے کے باوجود قرآنی حکم کی رو سے مشورہ کے پابند بنائے گئے۔ان کو اگرچہ مشورے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ رب تعالیٰ سے براہ راست رہنمائی ان کو حاصل تھی لیکن آپؐ کو چونکہ پوری امت کے لیے ایک قابل تقلید نمونہ بننا تھا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو بھی مشاورت سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا۔فرمایا:-

وشاورهم فی الامر (۲۳)

اے نبیؐ! ان سے امور مملکت میں مشورہ کیا کرو۔

اس مشاورت کو اس لیے ضروری قرار دیا گیا کہ سربراہ حکومت اور عامتہ المسلمین کے درمیان تعلقات کا توازن و اعتدال قائم رہے۔حکمران اقتدار کے نشے میں مست نہ ہوں اور عوام امور مملکت سے غافل نہ ہوں۔آمریت کا کوئی امکان اور احساس باقی نہ رہے اور امور مملکت باہم مشورہ کے بعد درست طریقے سے انجام پا سکیں۔

شرعی احکام کا نفاذ، اس کی طریق کار اور مقاصد عمومی طور پر اسلامی نقطۂ نظر سے طے شدہ امور ہیں۔بوقت نفاذ احکام خلیفہ اس کے مقاصد و ترجیحات میں تبدیلی کا مجاز نہیں۔مثال کے طور پر بیت المال کے ذرائع آمدن اور مصارف متعین شدہ ہیں۔ان میں تبدیلی کی ایک صورت مجلس شوریٰ سے مشاورت کے بعد بن سکتی ہے لیکن وہ بھی اس صورت میں ممکن ہوگی اگر اس مخصوص مقصد و طریق کار کے بارے میں اسلام نے کوئی ٹھوس اصول نہ دیا ہو۔جہاں اسلام کے اٹل اصول موجود ہیں وہاں مجلس شوریٰ کی مشاورت بھی تبدیلی نہیں کر سکتی۔

اجتماعی عدل کا قیام بھی اسلامی ریاست میں سربراہ حکومت کی انتہائی اہم ذمہ داری قرار دی گئی ہے۔جو ریاست اجتماعی عدل کے قیام میں ناکام ہو جائے اس کو ایک کامیاب اور فلاحی ریاست قرار نہیں دیا جا سکتا۔ایسی صورت میں حکمران ہی ذمہ دار ہوگا جو دنیوی و اخروی اعتبار سے جوابدہ ہے۔اگر حکمران اجتماعی عدل کے قیام میں کامیاب ہو جائے تو دنیوی و اخروی دونوں اعتبار سے اجر کا مستحق قرار پائے گا۔رسول اکرمؐ نے جن سات آدمیوں کا تذکرہ فرمایا کہ قیامت کے دن جب کوئی

سایہ نہیں ہوگا تو ان کو اللہ تعالیٰ کے عرش کے سائے میں جگہ نصیب ہوگی ان میں سب سے پہلے نمبر پر عادل حکمران (الامام العادل) ہے۔ (۲۴)

یعنی حکمران کے اپنے انجام کے حوالے سے اور عوامی فلاح و بہبود کے حوالے سے انتہائی اہم ذمہ داری قیام عدل ہے۔قرآن میں ہے:-

واذاحکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل (۲۵)

جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو عدل قائم کرتے ہوئے فیصلہ کرو۔

ایک اور جگہ فرمایا:-

ان اللّٰہ یأمر بالعدل (۲۶)

بے شک اللہ تمہیں قیام عدل کا حکم دیتا ہے۔

اسلام کی طرف سے عائد کردہ ایک اور پابندی جو حاکم کے اختیار و آزادی کو محدود و مقید کرتی ہے، وہ رعایا کی خیر خواہی ہے۔ حاکم اس بات کا پابند ہے کہ وہ ہر حال میں رعایا کی خیر خواہی کرے اور اگر اپنے اختیارات و آزادی کو بروئے کار لاتے ہوئے اس سے لا پرواہی برتے گا تو رسول اکرمؐ نے ایسے حاکم کے لیے سخت وعید سنائی ہے۔فرمایا:-

"مامن عبد استرعاہ اللّٰہ رعیة فلم یحطها بنصحه الا لم یجد رائحة الجنة" (۲۷)

جس آدمی کو اللہ نے رعیت کا حاکم بنایا پھر اس نے اپنی رعایا کی خیر خواہی کے ساتھ حفاظت نہ کی تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکے گا۔

حاکم کو اللہ نے حق اطاعت عطا کیا ہے۔لیکن وہ اپنا حق اطاعت استعمال کرتے ہوئے اگر کسی ایسی بات کا حکم دے جس سے لوگ مصیبت میں مبتلا ہو جائیں تو یہ اس کے لئے جائز نہیں۔ اسلام نے ممانعت فرمائی ہے کہ کوئی حاکم اپنی رعایا کو مشقت میں ڈالے اور ایسا کرنے والوں کو وعید بھی سنائی ہے۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا:-

"ومن یشاقق یشقق اللّٰہ علیه یوم القیامة" (۲۸)

اور جس نے (لوگوں کو) مشقت میں مبتلا کیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو تکلیف میں ڈالے گا۔

قیام عدل کے بعد اسلامی سربراہ حکومت پر عائد ہونے والی سب سے اہم ذمہ داری جو کہ قیام عدل ہی کے ذیل میں آتی ہے، اسلامی ریاست میں حقوق انسانی کا تحفظ ہے۔ جس معاشرے کے اندر تمام انسانوں کو اپنے بنیادی حقوق حاصل کرنے کی آزادی کی ضمانت نہ دی گئی ہو اس معاشرے میں عدل کا قیام ممکن نہیں۔ انسانی حقوق اور قیام عدل لازم وملزوم ہیں۔ جس کا ذمہ دار اور نگران اعلیٰ اسلامی ریاست کا حاکم ۔ ہے اور اگر وہ اپنی رعایا کے حقوق اور آزادی کا خیال نہیں رکھتا تو وہ اس قابل ہے کہ اسے احتساب کے کٹہرے میں لا کھڑا کیا جائے۔ رسول اکرمؐ نے حاکم کو رعایا کے حقوق کا ذمہ دار قرار دیا ہے فرمایا:-

" الا کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته فالا مام الذی علی الناس راع و هو مسئول عن رعیته."(۲۹)

خبردار! تم میں سے ہر شخص رعیت والا ہے اور ہر رعیت والے سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ لہذا امام جو کہ تمام لوگوں کا نگہبان ہے اس سے اس کی رعیت (تمام لوگوں) کے بارے میں پوچھا جائیگا۔

جہاں بھی چند انسانوں کی جمعیت ہوگی وہاں باہمی معاملات میں ایک دوسرے پر ظلم، زیادتی اور جبر کا امکان بہر حال موجود ہوگا۔ ممکن ہے کچھ طاقتور لوگ اپنی قوت کے بل پوتے پہ کمزوروں کو اپنے ظلم وزیادتی کی لپیٹ میں لینے کی کوشش کریں۔ اسلامی ریاست کے سربراہ کا یہ بنیادی فرض ہے کہ وہ کسی بھی رعایت کے بغیر رعایا میں سے ہر ایک کے حقوق کا تحفظ کرے اور اس امر کی ضمانت دے کہ کوئی انسان کسی انسان کی آزادی پر حملہ آور نہ ہو سکے۔

حوالہ جات

(۱) القرآن الحکیم، (الحج) ۲۲:۴۱

(۲) البخاری، کتاب الاحکام، باب السمع و الطاعة للامام مالم تکن معصیة، ج۴، جزء۸، ص۱۰۵

(۳) القرآن الحکیم، (النساء) ۴:۵۹

(۴) البخاری، کتاب الاحکام، باب قول اللّٰہ تعالیٰ اطیعوا اللّٰہ و اطیعوا الرسول.....، ج۴، جزء۸، ص۱۰۴

(۵) ایضاً، باب السمع و الطاعته للامام مالم تکن معصیة، ج۴، جزء۸، ص۱۰۵

(۶) ایضا، باب مایکره من الحرص علی الامارة، ج۴، جزء۸، ص۱۰۷

(۷) ''و لن یجعل اللہ للکفرین علی المومنین سبیلا''، (النساء، ۴:۱۴۱)

(۸) ''لن یفلح قوم ولو امرھم امرأة''، (بخاری، کتاب الفتن، باب لن یفلح قوم ..... ، ج ۴، جزء ۸، ص ۹۷

(۹) ''ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذکرنا واتبع هواه و کان امره فرطا'' (الکہف، ۱۸:۲۸)

(۱۰) ''ان اکرمکم عنداللّٰہ اتقکم''(الحجرات، ۴۹:۱۳)

(۱۱) ''ان اللّٰہ یأمرکم ان تؤدوا الامنت الی اھلھا''(النساء، ۴:۵۸)

(۱۲) ''و اذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل'' (النساء، ۴:۵۸)

(۱۳) ''ولا تؤتوا السفھاء اموالکم التی جعل اللّٰہ لکم قیما'' (النساء، ۴:۵)

(۱۴) القرآن الحکیم، (الشوریٰ) ۴۲:۳۸

(۱۵) کنزالعمال، ج ۵، ص ۲۵۷۷

(۱۶) صلاح الدین، بنیادی حقوق، ص۲۰۹

(۱۷) القرآن الحکیم، (الاعراف) ۷:۳

(۱۸) ایضاً، (المائدہ) ۵:۴۴

(۱۹) القرآن الحکیم، (الحشر) ۵۹:۷

(۲۰) مسلم، کتاب الامارة، باب وجوب الانکار علی الامراء.....، ج۳، جزء۶، ص ۲۳

(۲۱) بنیادی حقوق، ص۲۱۶

(۲۲) القرآن الحکیم، (الشوریٰ) ۴۲:۳۸

(۲۳) ایضاً، (آل عمران) ۳:۱۵۹

(۲۴) مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب فضل اخفاء الصدقۃ، ج۲، ص۱۵۷

(۲۵) القرآن الحکیم، (النساء) ۴:۵۸

(۲۶) ایضاً، (النحل) ۱۶:۹۰

(۲۷) البخاری، کتاب الاحکام، باب من استرعی رعیۃ فلم ینصح، ج ۴، جزء۸، ص۱۰۷

(۲۸) ایضاً، باب من شاق شق اللہ علیہ، ج۴، جزء۸، ص۱۰۷

****